ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 02 No. 04. Oct-Dec 2024.Page#.1567-1576
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Issues of Implementing Urdu in Pakistan

پاکستان میں نفاذِ اردو کے مسائل

Syed Mohsin Ali Bukhari
Lecturer of Urdu, University of Kotli, Azad Kashmir
mohsnbukharmzd@gmail.com

ABSTRACT
The implementation of Urdu as the national language of Pakistan has faced numerous challenges since its inception. While Urdu is widely spoken across the country, its formal use in education, administration, and media remains inconsistent. This paper explores the key issues that hinder the effective implementation of Urdu, including regional linguistic diversity, lack of standardized educational frameworks, and political resistance. It also addresses the historical context of Urdu's promotion and the social and cultural perceptions associated with the language. The study emphasizes the importance of establishing a comprehensive language policy to promote Urdu effectively while accommodating regional languages. It also suggests solutions to improve the status and functionality of Urdu as a national language to ensure its wider acceptance and integration in various sectors.

Keywords: *Urdu Implementation, National Language, Pakistan, Language Policy, Regional Languages, Language Standardization*.

قوموں میں کوئی چیز اس قدر اختلاف پیدا نہیں کرتی جتنا یہ کہ ان کی زبانیں مختلف ہوں اور کوئی اور چیز اتنا اتحاد و یگانگت پیدا نہیں کرتی جتنی کہ ایک مشترک زبان۔ یہ حقیقت اس قدر عیاں ہے کہ اس کے لیے کسی مثال کی بھی ضرورت نہیں' گارساں دتاسی(1)

فکری اور عملی سطح پر قوموں کی یکجہتی اور ان کی بقاء و دوام کے لیے اس قوم کی زبان ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ قوامیں جن مشترکہ عوامل کی بنیاد پر ایک ہی مرکز و محور پر قائم رہ کر بہ صورتِ قوم اپنا وجود قائم رکھتی ہیں ان میں مخصوص جغرافیائی حدود، مذہب، تہذیب و ثقافت اور پھر ایک مشترکہ قومی زبان شامل ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو قوموں کے باعزت، باوقار اور کامل و آزاد وجود کے ضامن ہیں۔ ان عناصرِ ترکیبی کی عدم موجودگی یا ان کے اندر کا انتشار قوم کے نہ صرف افراتفری پیدا ہو جاتی ہے بلکہ قوم کا وجود بھی خطرے میں پڑھ جاتا ہے۔ قومیں اپنی اس انفرادی شناخت کے لیے اپنا تن، من، دھن تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔

زبانوں کا اپنا ایک منفرد وجود ہوتا ہے اور یہ وجود دراصل کسی خاص تہذیب و تمدن، جغرافیائی حد بندی، ماحول اور قوم کے مخصوص عقائد سے مل کر بنتا ہے۔ زبان کا یہ وجود مجسم صورت میں نہیں ہوتا مگر اس کی اہمیت کسی صورت بھی ایک زندہ اور متحرک وجود سے کم نہیں۔ وقت اور متعلقہ قوم کا اپنی زبان سے برتا جانے والا رویہ بھی اس کے اس تعمیری اور ارتقائی سفر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زبانیں نہ صرف کسی خاص معاشرتی، تہذیبی، تمدنی اور مذہبی فکر سے کشید یافتہ ہوتی ہیں بل کہ انھی پیداواری عوامل کی بقاء، ترقی اور عزت و آبرو کی ضمانت بھی ہوتی ہیں۔ اپنی اس اہم صفت کی وجہ بھی زبان کو اقوام کے اندا بہت زیادا اہمیت ہوتی ہے۔ ہر قوم اپنی زبان اور ادب سے خاص لگاور رکھتی ہے اور فخر محسوس کرتی ہے۔ عربی تو اپنی زبان کی فصحات و بلاغت پر اتنا فخر کرتے ہیں کہ باقی دنیا کو اپنے سامنے گونگا یعنی عجمی سمجھتے ہیں۔

ہم اہل پاکستان بھی ایک مخصوص خطہ ارض، مخصوص زبان و ادب اور بہترین کامل اور جامع مذہب کی حامل قوم ہیں۔ ہمارا اپنا ایک منفرد پس منظر ہے۔ وہ تمام عوامل جو ایک منظم تہذیب یافتہ قوم کے لیے ضروری ہوتے ہیں، ہمارے اندر موجود ہیں۔ ہم کسی طرح سے بھی دنیا کی دیگر اقوام سے کم نہیں۔ ہمارا ماضی نہایت شاندار، ہماری روایات نہایت پختہ، ہماری ثقافت اعلیٰ رنگوں سے مزین، لہذا ہم بھی کسی طور پر دنیا کی کسی قوم سے کم تر نہیں بلکہ کئی حوالوں سے ہم دیگر اقوام عالم سے بہت آگے ہیں۔ مگر افسوس سے یہ بات کہنا پڑ رہی ہے کہ چند سیاسی اور معاشی مگر مچھوں کی وجہ سے ہم آج تک زبان کی یک جہتی سے محروم چلے آرہے ہیں۔ ایک مخصوص طبقہ جو اپنے مفادات کا غلام اور ایک خاص طبقاتی تفریق کا رسیا ہے، اپنی چالبازیوں، مکاریوں اور سیاسی ضرورتوں کے تحت قوم کو ایک زبان یعنی "اُردو" پر اکٹھا ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک بہت سنجیدہ کوششوں کے باوجود "اُردو" پاکستان کی نام نہاد قومی زبان ہے۔ یہ درجہ بھی اسے ایک دردِ دل رکھنے والے اُردو پسند علمی و ادبی طبقہ کی کوششوں کا ثمر ہے۔ اُردو ابھی تک اگر اہلِ پاکستان کی رگوں میں دوڑ رہی ہے تو یہ کارنامہ بھی اسی طبقہ کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہے۔ یقیناً اس طبقے کے افراد کے ناموں کی فہرست طویل ہے مگر مختصراً یہ کہ پاکستان کے نامور ادیب اور شعراء جنہوں نے نہ صرف اپنی تخلیقات سے دامنِ اُردو کو وسعت دی بلکہ بقاء اُردو کے لیے بھی نہایت مئوثر اور قابل ذکر کوششیں ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سید معین الرحمن، ڈاکٹر حامد بیگ، ڈاکٹر آغا سہیل، ڈاکٹر عرش صدیقی، ڈاکٹر انور سدید، احمد ندیم قاسمی، سید ضمیر جعفری، مرزا سعید وغیرہ اُسی طبقہ کی طویل فہرست سے چیندہ نام ہیں جنہوں نے اُردو کو سرکاری، دفتری زبان بنانے میں نہایت جانفشانی سے کام کیا۔

اُردو آج تک پاکستان کی دفتری زبان کیوں نہیں بن سکی؟ یا بحیثیت قومی زبان اس کی وہ قدر و قیمت کیوں نہیں جو ہونی چاہیے؟ اردو زبان کے نفاذ کے حوالے سے جس طرح کے مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے ان کی نوعیت کچھ اس طرح بنتی ہے۔

1۔ اردو رسم الخط کے مسائل دعویٰ

2۔ صوبوں میں اردو سے عدم دلچسپی کا دعویٰ

3۔ اردو زبان کے نفاذ سے جنم لینے والے معاشی مسائل کا دعویٰ

اردو کے نفاذ اور استعمال کے حوالے سے ایک احمقانہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اردو دراصل اس قابل ہی نہیں کہ اس میں انسان کے احساسات و جذبات اور مسائلِ انسانی کو کماحقہ پیش کیا جا سکے۔ مزید یہ کہ اس کے رسم الخط کو سیکھنے میں دشواری ہوتی ہے، اس کے ہم آواز کسی بھی سیکھنے والے کے لیے شناخت کا مسلہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لیے اردو کو تدریسی زبان بنانے میں بھی دشواری ہے۔ ایک اور بات جو ان لوگوں کی طرف سے کی جاتی ہے وہ یہ کہ اردو میں الفاظ کا ذخیرہء الفاظ، تراکیب اور اصلاحات کے اندر یہ صفت موجود نہیں کہ وہ کسی اعلیٰ سائنسی اور تحقیقی علم کو بیان کر سکے۔ یہ اعتراض انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔ اردو سے منسوب یہ مسائل دنیا کی ہر زبان کے ساتھ بھی جڑے ہوے ہیں۔ اردو میں تو ایک اچھی بات یہ ہے کہ اس میں انسانی آوازوں کے لیے صوتیوں کی کثیر تعداد موجود ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ زبان ہر طرح کی آواز کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کی نسبت انگریزی کو دیکھا جائے تو اس کی غربت منہ چڑاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انگریزی میں مختلف آوازوں کے لیے ایک ہی صوتیے سے کام چلا لیا جاتا ہے مگر اردو میں ہر آواز کے لیے اپنا صوتیہ موجود ہے۔ لہٰذا زبان میں ایسا زرخیز میکنزم موجود ہے جو تمام تر جذبات اور احساسات کو بیان کرنے پر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ دنیا کی ہر زبان کسی نہ کسی کمی اور کم زوری کا شکار ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قومیں اپنی زبان کو اٹھا کر اس کی جگہ کسی اور زبان کو فروغ دے۔ زندہ قومیں اپنی زبان کو حالات و واقعات اور علوم و فنون کے مطابق تیار کرتی رہتی ہیں۔ اردو زبان کے لیے بھی "مقتدرہ

فروغِ قومی زبان،، کا ادارہ اس کام کے حوالے سے گراں قدر کام سر انجام دے چکا ہے۔ اس ادارے میں ماہرینِ زبان و ادب جدید اصطلاحات سازی کا کام کر رہے ہیں اور الحمد للہ اردو زبان میں تمام علومِ انسانی کی تدریس کا عمل کروایا جا سکتا ہے۔

ایک ایسی زبان جو الہامی کتب کا مطلب اور مدعا کو ان کی کیفیات سمیت بیان کرنے کا ہنر رکھتی ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا کے دیگر علوم کو بیان کرنے سے یہ زبان قاصر ہو۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مولوی عبد الحق کہتے ہیں

"وہ زبان جو قرآنِ پاک اور آسمانی صحیفوں کا ترجمہ کر سکتی ہے، جو علم و فن کے موضوعات پر بحث کر سکتی ہے، جو غالب، سر سید، حالی اور اقبال کے خیالات و جذبات کو ادا کر سکتی ہے تو کیا وہ دفتروں کے معمولی مسلوں کے مطالب کو ادا نہیں کر سکتی؟ جو اس سے انکار کرتا ہے وہ قومی زبان کی توہین کرتا ہے۔ یاد رکھیے اگر ہم نے اس کی قدر نہ کی اور اس کو وہ درجہ نہ دیا جس کی وہ مستحق ہے تو پاکستان کے استحکام میں خلل واقع ہو جائے گا اور پشتونستان، بنگالستان، ہندوستان جیسے کئیں استان بن جائیں گے۔۔۔ اور پاکستان ڈھونڈنے سے نہ ملے گا(2)

اُردو کی وسعت پذیری اور جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو کے ایک سروے کے مطابق اُردو دنیا بھر میں سمجھی اور بولی جانے والی زبانوں انگریزی اور چینی کے بعد تیسری بڑی زبان ہے۔ اس کے باوجود اُردو کو کم تر یا غریب زبان سمجھنا نہایت دکھ دہ بات ہے۔

اُردو بحیثیت دفتری زبان آج بالکل تیار ہے کہ اس زبان میں کسی قسم کا دفتری کام انجام دیا جا سکے۔ تمام تر قانونی، سائنسی، ادبی اور علمی اصطلاحات اُردو کے اندر موجود ہیں۔ اب کوئی ایسا اعتراض قابلِ قبول نہیں جو اُردو کی وسعت پذیری کو نظرِ شک سے دیکھے۔ اس کے باوجود اُردو اگر دفتری زبان کا روپ نہیں اختیار کر رہی تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے پس پردہ کچھ اور وجوہات سرگرمِ عمل ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اردو کا نفاذ صوبوں کو قابلِ قبول نہیں ہو گا کیوں کہ ان کی اپنی زبانیں موجود ہیں اور یہ کہ تما صوبوں کی اپنی علاقائی زبانیں موجود ہیں اور مزید یہ کہ انسان فطری طور پر اپنی مادری زبان سے دلچسپی رکھتا ہے اس لیے اردو کو ملک گیر سطح پر قومی اور دفتری زبان نہیں بنایا جا سکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے ہر صوبے میں اپنی باقاعدہ زبان موجود ہے مگر یہ زبانیں ملک کے ددوسرے صوبوں میں ہر گز ناں سمجھی جاتی ہیں اور نہ بولی جاتی ہیں لہٰذا منطقی لحاظ سے ایک ایسی زبان کی ضرورت پیش آتی ہے جو ملک کے ہر صوبے میں سمجھی اور بولی جا سکے۔ اردو اس حوالے سے ایک مکمل زبان ہے جو نہ صرف ملک کے کونے کونے میں پڑھی، سمجھی اور بولی جاتی ہے بل کہ ملک سے باہر بھی اپنے چاہنے والوں کی ایک کثیر تعداد رکھتی ہے۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر اردو برِ صغیر کی تہذیب اور ثقافت رکھنے کے باوجود چاروں صوبوں کے لیے اجنبی ہے تو پھر انگریزی جو کے ایک پرائی تہذیب و ثقافت کی حامل زبان ہے کو کس منطق کے تحت کچھ طاقتیں ملک کے طول و ارض میں اسے مسلط کرنا چاہتی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کا مطمعِ نظر صوبوں کے لسانی مسائل نہیں بل کہ انگریزی کے ساتھ ان کی غیر مشروط غلامی کا مسلہ ہے۔ اردو تو قبل از پاکستان بھی ان صوبوں کے اندر سمجھی اور بولی جاتی تھی۔ اس لیے یہ کسی بھی صوبے کے لیے ہر گز اجنبی نہیں۔ اردو اور علاقائی زبانوں کے اندر بہت ساری ایسی مماثلتیں موجود ہیں جو اردو سے جلد مانوس ہو جانے کے لیے مدد گار ہو سکتی ہیں۔ انگریزی یا کسی اور زبان کی نسبت اردو کے سیکھنے کا مرحلہ بے حد آسان ہو سکتا ہے۔ اردو چوں کہ پاکستان سے قبل ہی ان صوبوں کی فضاوں میں محسوس کی جاتی رہی ہے۔ اس لیے اس طرح کے بے بنیاد اعتراض کی کوئی گنجائش موجود نہیں اردو زبان اس لیے بھی ملک کی زبان ہونا ضروری ہے کہ یہ قومی وحدت کو یقینی بنا سکتی ہے۔ خواجہ ناظم الدین نے کراچی میں منعقدہ اردو کانفرنس 1951ء کو اردو کی اس اہمیت پر زور دیتے ہوا فرمایا

"اگر پاکستان کی مختلف زبانیں بولنے والوں کو آپس میں شر و شکر بنانا ہے، اور اگر پاکستان کو مظبوط بنیادوں پر قائم کرنا ہے تو اس کی ایک قومی زبان بھی ہونی چاہیے، اور یہ زبان سوائے اردو کے کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔"(3)

ڈاکٹر صفدر محمود کا اس حوالے سے کہنا ہے کہ

"اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علاقائی زبانوں کو بھی اپنا ایک مقام ہے اور انھیں پھلنا پھولنا چاہیے۔ لیکن ایک خاص حد میں رہ کر۔ کیوں کہ دریا اسی حد تک دریا رہتا ہے جب تک یہ کناروں کے درمیان بہتا ہے۔ بین الصوبائی رابطے کے لیے ہمیں یقیناً ایک مشترک قومی زبان کے سہارے کی ضرورت ہے جسے ہم اکائی کی زبان قرار دے سکیں اور جس کے ذریعے پٹھان، بلوچی، سندھی، پنجابی اور دیگر علاقائی زبانیں بولنے والے افراد بھی قومی سطح پر ایک دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ سکیں"(4)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جان بوجھ کے ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ اردو کسی طور پر بھی پاکستان کی واحد اور قومی زبان کے طور سامنے آئے۔ کیوں کہ پاکستان کی وحدت اور یک جہتی دشمن عناصر کو ہر گز پسند نہیں اور ملک کے اندر دشمنوں کے آلہ کار لوگ اس مسلے کو پیدا کرنے اور ہوا دینے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

اعتراض کی تیسری صورت جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ کی پاکستان کی قومی اور تدریسی زبان اردو بنا دینے سے قوم ان تمام علوم و فنون سے نابلد رہ جائے گی جو معاشی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور یہ کہ دنیا میں عالمی تجارت کے حوالے سے استعمال ہونے والی والی زبان چون کہ انگریزی ہے اس لیے ملک میں انگریزی ہی کا فروغ ہونا چاہیے ورنہ ساری قوم عالمی معاشی اور تجارتی فوائد سے محروم رہ جائے گی۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ دعوی کرنے والے لوگ اپنے ساتھ چین جیسی عالمی طاقت کو نہ صرف ترقی کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں بل کہ تمام علوم کو چینی زبان میں پڑھتے اور پڑھاتے ہوے بھی دیکھ رہے ہیں۔ کیا چینی زبان چین کی ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ بن رہی ہے؟ میرا خیال ہے کہ اپنی زبان کو بروئے کار لا کر بھی قوم نہ صرف ترقی کر سکتی ہے بل کہ دنیا میں بلند ترین مقام بھی حاصل کر سکتی ہے۔ دنیا میں دیگر ترقی یافتہ ملک مثلاً جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ بھی تو اپنی اپنی زبانوں میں درس و تدریس سے لے کر عالمی سطح تک کے تمام معاملات کو پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اس اعتراض کا بھی کوئی عقلی اور منطقی جواز نہیں بنتا ہے۔

یقیناً آج تک اردو کے بحیثیت تدریسی اور دفتری زبان کے نفاذ میں رکاوٹیں چند سیاسی اور معاشی مفاد پرستوں کی پیدا کردہ ہیں جو پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی نہ صرف اُردو کے حوالے سے احساسِ کمتری کا شکار رہے ہیں بل کہ دنیاوی آقاوں کی خوشنودی کے لیے نظریہ پاکستان سے بھی انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اصل میں یہ لوگ شروع ہی سے انگریزی تہذیب و تمدن کے ظاہری حُسن سے متاثر ہو کر نہ صرف اپنی خودی کھو چکے ہیں بلکہ اب انہیں ہر مشرقی (اسلامی) قدر جس سے اسلام یا مسلمانیت کا تعلق نظر آتا ہو اختیار کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ اُردو بھی چوں کہ ایک خاص مسلم تہذیبی و تمدنی فکر سے پیوستہ ہے۔ اس لیے اُردو بھی اس طبقہ کے لیے شجرِ ممنوع کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا لباس، کھانا پینا، رہنا سہنا، اندازِ گفتگو انگریزیت زدہ ہے جس پر وہ اپنی جگہ فخر کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ یہ ازلی غلام طبقہ، غلام اس لیے کہ یہ شعوری اور لاشعوری طور پر انگریز کلچر کو اپنا امام مان چکا ہے، اصل میں اُس کوشش کی پیداوار معلوم ہوتا ہے جس کا اظہار لارڈ میکالے نے یوں کیا تھا۔

"We must at present do our best to form a class of persons, Indian in blood and colour but English in taste, in opinions, in morals and intellect"

(Calcutta, 1862 (5)

کوئی شک نہیں کہ انگریز حکومت نے مکالے کے اس بیان کو اپنی بنیادی پالیسی کا حصہ بناتے ہوئے قیام پاکستان سے قبل اُردو کو تعلیمی اور دفتری حیثیت سے محروم کر دیا تھا۔ اُردو میں حاصل کی گئی تعلیم کو یکسر مسترد کر دیا گیا اور اُردو دانوں کو ملازمتوں سے محروم رکھا گیا۔ اسی دوران یہ احساس برصغیر کے چند لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا کہ اُردو ایک غریب اور کم تر زبان ہے۔ لہذا اس کو چھوڑا انگریزی زبان و ادب پر عبور حاصل کیا جائے۔ حکومت برطانیہ نے اس خیال کے حامل افراد کی خوب سرپرستی کی۔ اس طرح وہ ایک ایسا طبقہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو خون اور نسل سے تو ہندوستانی ہی ہے مگر ان کا انداز تکلم اور طرزِ زندگی انگریزی۔ یہ وہی طبقہ ہے جو انگریزوں کی طرف سے مراعات یافتہ بھی تھا۔ قیام پاکستان کی مخالفت کے باجود قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی تقدیر کا مالک بن بیٹھا اور اپنے مکروہ خیالات سے نہ صرف ملک و ملت کے قومی و ملی جذبات کو مجروح کر رہا ہے بلکہ اب مذہب سے بھی دست اندازی شروع کر رکھی ہے۔

یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ طبقہ آج صنعت کاروں اور جاگیرداروں کی صورت میں موجود ہے جو کھاتے تو اس پاک سرزمین کا ہیں مگر گُن کسی اور کے گاتے ہیں۔ ان کا اپنا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے۔ وہ قوم کو طبقات کی صورت میں منتشر کر کے اپنے مفادات کو تحفظ دینا چاہتے ہیں کیونکہ قوم کی شیرازہ بندی ہی میں ان کی بقاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اُردو کو ایک قومی زبان کی صورت میں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ایک واحد قومی زبان ہونے کی وجہ سے پوری قوم کے متحد ہو جانے کا ڈر اور خوف ان کے دلوں میں موجود ہے۔ قوم کے اتحاد و یگانگت میں ان کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے لہذا یہ کسی ایسی کوشش کو کامیاب ہوتی نہیں دیکھ سکتے جو اُردو کو بحیثیت قومی و دفتری زبان بنانے کے لیے کی جائے۔

دنیا کی مہذب اقوام اپنے مخصوص تعلیمی نظام جو ان کے عقائد، تہذیب و ثقافت اور معاشی و معاشرتی ضروریات کا آئینہ دار ہوتا ہے، جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔ اس تعلیمی نظام میں اسی قوم کی صفات کی خوش بو اور بو باس ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ایک ایسے نظامِ تعلیم کو فروغ دیں جو ان کی وحدت، شناخت اور مخصوص انفرادی پہچان کو مسخ کر دے۔ ان کے وجود کی جڑیں جہاں بہت ساری مشترکہ قومی روایات سے جڑی ہوتی ہیں وہیں یہ اپنی حامل زبان سے بھی اپنے منفرد طرزِ زندگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ آزاد، خود مختار اور باوقار قوم کا یہی اندازِ فکر ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی اقوام دنیا میں نہ صرف ترقی کے بلند ترین معیار کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں بل کہ باعزت اور باوقار انداز میں اپنے وجود کو قائم رکھے ہوے ہیں۔ ان ممالک یا اقوام نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ وہ کسی پرائی زبان و اداب کو اپنے ابلاغ کا ذریعہ بنائیں۔ یا پھر یہ کہ وہ اپنی قومی زبان کے حوالے سے کسی تشکیک اور احساسِ کمتری کا شکار ہوئی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے تاریخی و تہذیبی مقاصد اور مفادات کی ترسیل کو یک سر نظر انداز کر کے بیرونی طاقتوں کی مرضی اور مفاد کی تکمیل کے لیے ان کے اجنڈے کے مطابق اپنی ہر شناخت کو ختم کر دینے پر تُل جائے۔ ہر گز نہیں۔ قومیں تو اپنی وسیع تر قومی مفاد کو نازُک ترین حالات میں بھی آنچ نہیں دیتی۔

افسوس سے کہنا پڑھ رہا ہے کہ پاکستان میں صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہیں۔ انگریزوں کی عمل داری میں رہنے کے بعد ابھی تک ہم اس ذہنی پستی سے نہیں نکل پائے جس کا سامنا ہمیں ماضی میں کرنا پڑا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ان لوگوں نے عنانِ حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا جو انگریزوں کے منظورِ نظر رہے تھے۔ ان ضمیر فروشوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت شروع ہی سے ایسا نظامِ تعلیم وضع کیا جو نہ ملک و ملت وجود کے لیے ناسور بن گیا۔ ملک میں مروجہ طبقاتی نظام تعلیم ہی کے یہ ثمرات ہیں کہ کہ آج ملک میں دو الگ طبقے نظر آتے ہیں ایک وہ جو اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم بناتے ہوئے تحصیل علم کر رہا ہے اور دوسرا وہ جو مغرب کی نگرانی میں انگریزی زبان میں حصول تعلیم کا علمبردار ہے۔ یہی وہ تقسیم ہے جو معاشی، سیاسی عدم استحکام کا بھی سبب ہے لیکن مفاد پرست ٹولا اسی طبقاتی نظامِ تعلیم کو فروغ دینے میں اپنی عافیت سمجھتا ہے۔ ایک حد تک دیکھا جائے کہ یہ مفاد پرست ٹولا اپنی کوششوں میں ابھی تک کامیاب بھی نظر آرہا ہے کیوں کہ یہی طبقہ باری باری لذتِ اقتدار سے بھی آشنائی کرتا ہے اور اس

طبقے کے ہاتھ میں ملک وملت کی تقدیر کے فیصلے ہیں۔لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اُردو اپنے اصل مقام اور مرتبے کو حاصل کر سکے۔ڈاکٹر جمیل جالبی اس حساس مسلے پر اظہار کرتے ہوے کہتے ہیں۔

"پاکستان شاید دنیا میں ایک ایسا عجوبہ معاشرہ ہے جہاں بیک وقت دو نظامِ تعلیم رائج ہیں۔ایک نظامِ تعلیم انگریزی کے ذریعے تعلیم دیتا ہے اور دوسرا نظامِ تعلیم اردو کے ذریعے دیتا ہے۔ہمارا سارا نظامِ تعلیم ملک کی دس فیصد آبادی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور نوے فیصد آبادی کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔یہ کسی نظامِ تعلیم کے جبر واستحصال کی ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر شاید کہیں اور نہ ملے۔(6)

ہماری بنیادی بحث اگر چہ نظامِ تعلیم نہیں مگر نظامِ تعلیم کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ براہ راست اس سوچ کی عکاسی کرتا ہے جو اردو زبان کو نہ قومی زبان کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے نہ یہ چاہتا کہ ملک کسی ایک لسانی اکائی پر متحد و متفق ہو کر خود انحصاری کی طرف سفر کر سکے۔ہمارے محسن اور بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے ملک کی زبان کے حوالے سے بالکل واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اس ملک کی زبان اردو کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔لیکن اردو ابھی تک اس مقام و مرتبے سے محروم ہے جس کا تعین قائداعظمؒ اور شاعر مشرق حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے کیا تھا۔یہ سیکولر سوچ کا حامل طبقہ آج ان دو محسنینِ ملت ہی کی ذات و افکار کو متنازعہ بنا رہا ہے چہ جائے کہ یہ کسی ایسی کوشش کو کامیاب ہونے دیں جو اُردو کے فروغ کے لیے سر انجام دی جائے۔قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بڑے واضح اور دوٹوک الفاظ میں اُردو کے مستقبل کا تعین کر دیا تھا۔

"مجھے آپ سے صاف صاف بات کر لینی چاہیے کہ جہاں تک آپ کی ہنگامی زبان کا تعلق ہے یہ بات مبنی بر حقیقت نہیں کہ اس حوالے سے آپ کی روز مرہ زندگی کو چھیڑا جائے گا یا کوئی رخنہ اندازی کی جائے گی۔آپ ہی یعنی اس صوبے کے عوام ہی اس صوبے کی زبان کے بارے میں فیصلہ کریں گے لیکن میں آپ کو صاف طور پر بتا دوں کی پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہو گی اور کوئی دوسری زبان نہیں، جو کوئی آپ کو غلط راستے پر ڈالے وہ دراصل پاکستان کا دشمن ہے۔واحد سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم نہ تو متحدہ رہ سکتی ہے اور نہ روبہ عمل۔دوسرے ملکوں کی تاریخ گواہ ہے۔پس جہاں تک سرکاری زبان کا تعلق ہے پاکستان کی زُبان اُردو ہی ہو گی" (7)

(ڈھاکہ میں عوام سے خطاب 21مارچ1948ء)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

"اُردو ہماری قومی زبان ہے ہمیں اس کو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ آلودگیوں سے پاک اور مخالفین کے جارحانہ اور معاندانہ عزائم سے بچائے رکھنے کے لیے اپنی پوری توانائی اور زور لگا دینا چاہیے" (8)

دوسری کُل پنجاب اُردو کانفرنس کے نام قائداعظم کا پیغام 12 فروی 1941ء

قائداعظمؒ بھی اُردو کی وسعت پذیری اور جامعیت کے حامی تھے۔آپ کو بھی معلوم تھا کہ اُردو زبان مسلمانانِ برصغیر ہی کی علمی و ادبی کوششوں کا ثمر ہے۔اس کا دامن مسلمان تہذیب وثقافت سے وابسطہ ہے اور آئندہ بھی یہ وہ واحد زبان ہو گی جو پوری کامیابی کے ساتھ قومی و دفتری زبان ہونے کی اہم ذمہ داری سر انجام دینے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے اور جس پر پوری قوم متفق ہو سکتی ہے کیونکہ اُردو ہی وہ خوش قسمت زبان ہے جس کی پیدائش اور نشو و نما کا اعزاز ہر صوبہ اور علاقہ اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے اور دلائل بھی دیتا ہے۔لہذا اُردو پر متفق ہو جانا ایک فطری امر ہے۔

یہاں ایک اور حقیقت کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ غیر ملکی زبان اور نظامِ تعلیم کے ملک کے ایک بڑے حصے پر نافذ ہونے کے باوجود کیا ہم ان علوم و فنون کے حصول میں کامیاب ہو سکے ہیں جن کے حصول کو ترقی و خوش حالی کے لیے لازمی سمجھے جاتے ہیں یا جن کے حصول کے لیے یہ مخصوص طبقہ مغربی اندازِ فکر کے حامل نظامِ تعلیم کو فروغ دینا چاہتا ہے؟میرا خیال ہے کہ اس کا جواب اس کے علاوہ کچھ بھی نہین کہ ہم اس طبقاتی تعلیمی نظام کی وجہ سے نہ تتر رہے نہ بٹیر بن سکے۔

چند لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اُردو ہی کیوں پاکستان کی سرکاری اور دفتری زبان ہو۔ کیا پاکستان میں بولی جانے والی دیگر زبانیں مثلاً سندھی، پنجابی، پشتو، سرائیکی، کشمیری، پوٹھوہاری اس قابل نہیں ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو قومی زبان کا درجہ دیا جا سکے۔ اس ضمن میں چند گزارشات قابل غور ہیں۔

1۔ تخلیق پاکستان کے وقت اُردو ہی وہ واحد زبان تھی جو تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ صوبوں کی اپنی زبانیں بھی موجود تھیں مگر یہ زبانیں اپنے اپنے علاقے اور مخصوص نسل ہی سے وابسطہ تھیں۔ چنانچہ پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد صوبوں کے درمیان رابطے کے لیے خود کار طریقے سے اُردو ہی بروئے کار آئی۔ اسی زبان نے ایک دم سے ایک متحدہ قوم ہونے کے احساس کو فروغ دیا۔

2۔ اُردو پر اپنی ملکیت جمانے اور اپنے علاقے سے منسوب کرنے کے دعوے دار تقریباً برصغیر کے تمام صوبے اور علاقے میں سندھ، پنجاب، دکن وغیرہ اس زبان کی جنم بولی ہونے کے دعویدار ہیں۔ لہذا اُردو ہی وہ واحد زبان تھی جس کو قبول کرنے میں کسی علاقے کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

3۔ اُردو کے علاوہ کوئی اور زبان اتنے وسیع پیمانے پر نہیں بولی جاتی تھی۔ نہ اُردو کی طرح دیگر زبانوں میں ادبی کام ہوا تھا۔ اُردو اپنے حروف تہجی اور رسم الخط کی وجہ سے ان سب زبانوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس لیے بھی اُردو ہی اس قابل تھی کہ مشترکہ قومی زبان کی حیثیت سے کام کر سکتی۔ اگر اُردو کے علاوہ کوئی اور زبان اپنی وسعت کے لحاظ سے اُردو سے بہتر ہوتی تو اس زبان کو بھی قومی زبان کا درجہ دیا جا سکتا تھا مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔

4۔ اُردو ہی وہ واحد زبان تھی جو قیام پاکستان سے پہلے ہی برصغیر سے باہر کی دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی تھی لہذا ایک وسیع تر زبان کی صورت میں ہی اس قابل تھی کہ قومی زبان کا درجہ پاتی۔

5۔ ایک اور سوال جو بظاہر شاید بہت سادہ معلوم ہو، یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ علاقے جو پاکستان میں شامل ہوئے کسی اور زبان کو بحیثیت قومی زبان کو قبول کر لیتے یا کسی تعصب کا شکار ہو کر شروع ہی سے انتشار کا شکار ہو جاتے۔ یقیناً اس کا جواب یہ ہو گا کہ اُردو کے علاوہ کوئی صوبہ بھی دوسرے صوبے کی زبان کو قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیتا اور بظاہر یہ آسان نظر آنے والا مسئلہ بہت خطرناک صورت حال اختیار کر لیتا۔ اس لحاظ سے ہمیں اُردو زبان کا احسان مند ہونا چاہیے جس نے بہت ہی نرم روئی اور خود کار طریقے سے پاکستان کو ایک بہت بڑے مسلئے سے بچا لیا اور اگر کسی کو یہ شک ہو کہ اُردو کے علاوہ کوئی اور زبان قومی زبان کے طور پر کام آسکتی تھی تو وہ ملکی حالات و واقعات کی ذیل میں، اور صوبائی تعصب کو مدِ نظر رکھتے ہوے فیصلہ کرے کہ کیا کوئی صوبہ سوائے اردو کے کسی اور زبان کو اختیار کرنے پر رضامند بھی ہوتا یا نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد کے معاملات پر نظر کرے تو اُسے بخوبی اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا کہ اُردو نے کس طرح صوبوں کو اکٹھا رکھنے میں کردار ادا کیا ہے۔

اہلِ نظر اس بات کو قبول کرنے میں قطعاً پس و پیش سے کام نہیں لیں گے کہ قومی مزاج، سوچ اور فکر کے مطابق اردو ہی وہ واحد زبان ہے جو ملک کے تمام طبقات کے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ پھر زندہ قوموں کا شعار بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر جمیل جالبی کے ایک خطبے "اُردو کیوں اور انگریزی کیوں نہیں" میں فرماتے ہیں۔

"یہ بات طے شدہ ہے کہ اُردو پاکستان کی قومی زبان ہے بالکل اُسی طرح جیسے ہندی بھارت کی، انگریزی انگلستان کی، نیپالی نیپال کی، چینی چین کی، جاپانی جاپان کی، ملے ملیشیاء کی قومی زبانیں ہیں۔ مجھے اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنی چاہیے لیکن میں یہ سوال اپنے سمجھنے کے لیے آپ کے سامنے ضرور اٹھاوں گا کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو میں کیوں ہو اور کوئی دوسری صوبائی یا علاقائی زبان کیوں نہ ہو۔ پاکستان میں متعدد بولیاں اور زبانیں بولی جاتی ہیں جیسے پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی، سرائیکی، ہندکو، پوٹھوہاری، براہوی، کوہساری، شنو، کشمیری، گجری وغیرہ وغیرہ۔ ان میں ہر زون کا اپنا علاقہ ہے لیکن کوئی زبان بھی ان میں سے ایسی نہیں جو دوسرے علاقوں یا ہر علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ اگر پاکستانی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان بھی ایسی ہوتی جو سارے پاکستان کے طول و عرض میں قومی مفاد کے پیش نظر اُسی زبان کو اختیار کرنے کی حمایت کرتا"(9)

اسی طرح کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب "تحریک نفاذِ اُردو" میں ایک جگہ کیا ہے۔

"کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ جیسے ہم ایک قومی زبان کا تصور مان بھی لیں تو اس منصب کے لیے اُردو ہی کو کیوں خاص کر لیا جائے۔ علاقوں میں بولنے والی زبانوں میں سے کسی ایک کو کیوں نہ چُن لیا جائے۔ سوال معقول ہے اور راقم الحروف نے ہمیشہ اس نظریے کو تسلیم کیا ہے۔ اُردو کے سوا دوسری ملکی زبانوں میں سے اگر کوئی ایک بھی اس منصب کے لئے موزوں سمجھی جائے اور سب کا اس پر اتفاق ہو جائے تو بڑی مبارک بات ہو گی لیکن دقت یہ ہے کہ کوئی ایک ملکی زبان (اُردو کے سوا) اس استحقاق کو ثابت نہیں کر سکتی"(10)

(تحریک نفاذ اُردو طبع 2005ء صفحہ 377)

بد قسمتی سے آج تک وہ وعدہ جو اُردو زبان کے ساتھ ہمارے رہنماوں نے کیا تھا پورا نہیں کیا جا سکا اور اس کی کچھ وجوہات پیچھے بیان بھی کی جا چکی ہیں۔

جب کسی زبان کو قومی زبان کی حیثیت دے دی جائے تو پھر اس قوم کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی قومی زبان کی دل و جان سے عزت کرے اور اُسی کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے استعمال کرے۔ تمام علوم و فنون کو اپنی زبان میں ڈھال کر تدریسی اداروں میں رائج کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کرے۔

بد قسمتی سے اُردو زبان اس محبت اور اپنائیت سے محروم نظر آتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ابن الوقت مفاد پرستوں کے عتاب کا نشانہ بنتی ہوئی نظر آتی ہے حکومتیں بھی ظاہر ہے ایک خاص اندازِ فکر جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے کے تحت وجود میں آتی ہیں۔ محض زبانی اور رسمی کوششوں کے علاوہ اُردو کے نفاذ کے لیے کبھی سنجیدہ کوششیں کرتی ہوئی نہیں نظر آتیں۔ اگرچہ پاکستان کے 1973ء کے آئین میں بھی اُردو کو باقاعدہ سرکاری زبان کا درجہ دیا جا چکا ہے مگر عملی طور پر اس پر کس حد تک عمل ہوا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔

اُردو کو پورے ملک کی عملاً قومی زبان نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے مسائل بھی سامنے آرہے ہیں۔ ایک طرف انگریزی زبان میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی وجہ سے نسلِ نو کا رابطہ اُردو سے کمزور پڑتا جا رہا ہے تو دوسری طرف انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی تہذیب بھی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ہمارے معاشرے کو جڑوں سے ہلانے کا کام کر چکی ہے۔ قوم طبقوں میں بٹ چکی ہے۔ ملک کے معاشی نظام پر ایک مخصوص طبقے کا قبضہ ہے جو مغرب کا پروردہ ہے۔ ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ جب انگریزی کو سمجھ ہی نہیں سکتا تو پھر دفتروں میں عدالتوں میں اور اعلیٰ امتحانوں میں انگریزی کو کیوں ذریعہ امتحان بنایا گیا ہے۔ یہ ایک خاص سوچی سمجھی سازش ہے جو قیام پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کو کمزور اور بلآخر ختم کر دینے کے لیے کی جا رہی ہے۔

پاکستان میں ابھی تک وہی دفتری نظام رائج ہے جو انگریزی کلچر اور انگریزیت سے بھرپور ہے۔ پاکستان کے اندر یہ نظام اُردو اور مشرقی روایات سے زیادہ انگریزی اور انگریزی روایات کی امین نظر آتا ہے۔ بیوروکریٹس کی حالت تو اور دو ہاتھ آگے نظر آتی ہے۔ جہاں باقاعدہ طور پر نئے منتخب آفیسرز کو انگریز کا دیا ہوا انداز شاہانہ سکھایا جاتا ہے۔ جہاں پر یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ تم عوام پر حاکم مقرر کیے جا رہے ہوں نہ کہ بطور نجات دہندہ۔ تم اپنے اور عوام کہ جن کی وجہ سے یہ ملازمتیں پیدا کی جاتی ہیں کے درمیان ایک حدِ فاضل قائم رکھو گئے۔ یہی وہ رویہ ہے جو ایک عرصے سے پاکستان میں افسر شاہی کو فروغ دے رہا ہے۔ جو اُردو کی بجائے غیر ملکی زبان کو اظہار کا ذریعہ مانتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں دفتری نظام ہی اس قسم کا دکھا گیا ہے جو اُردو کی نسبت انگریزی کے زیادہ قریب ہے۔ اُردو جو خالصتاً مشرقی مزاج کی ہے جو عوام کے اظہار کا ذریعہ ہے جو عوام میں بولی اور سمجھی جاتی ہے ایک شجر ممنوع کی طرح پاکستان کے دفاتر میں دیکھی جاتی ہے۔

ملک کے اہم فیصلہ جات، پالیسیاں انگریزی میں اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ عوام کی اکثریت ان سے نابلد رہے اور ہاتھ رنگنے اور سادہ لوح عوام سے بالا بالا بھلے ملک وملت کے سودے ہوتے رہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو کو محض سیمناروں، مباحثوں اور مناظروں کی حد تک نہ رکھا جائے بلکہ حقیقت میں اس کا اطلاق ملک کے تمام دفاتر، اداروں، تعلیمی اداروں اور ملک کے چپے چپے میں کیا جائے۔

یاد رہے کہ اُردو ہمارا تہذیبی ورثہ بھی ہے۔ اُردو ہی برصغیر میں مسلمانوں کے ہاتھوں پرورش پانے والی زبان ہے۔ اس کی آبیاری کے لئے مسلم امراء و صوفیاء اور ادیب و شعراء کا برابر کا حصہ ہے۔ اپنے تہذیبی پس منظر سے وابسطہ رہنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اُردو کو ہم بطور قومی اور دفتری زبان کے قبول کر لیں۔ اسکے ثمرات یہ ہونگے کہ ملک میں ایک لسانی ہم آہنگی پیدا ہو گی جو ساری قوم کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ ملک کا معاشی نظام درست ہو گا۔ ملک کا سیاسی نظام بھی کسی حد تک اُردو زبان کے نفاذ کے بعد اتنی شدت اختیار نہیں کرے گا جو آج کل کے حالات میں نظر آتا ہے۔

اہل قلم (ادیب، شعراء یا صحافتی ضرورت کے تحت رکھی جانے والی تحریروں میں ایک اور خاص بات کا خیال رکھا جانا چاہیے کہ ہماری اپنی زبان میں جو الفاظ و تراکیب میں انہی کو استعمال کریں اکہ اُردو کو حقیقت میں وہ مقام و مرتبہ مل سکے جس کی یہ زبان حق دار ہے اور جسکے لیے تحریک پاکستان کے تمام سربراہان نے اعلان کیا تھا۔

اُردو سے پیار کرنے والوں کو کسی قسم کے احساس کم تری کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اُردو بلاشبہ اس وقت دنیا کی اہم، ترقی یافتہ اور علمی و ادبی ذخیرے سے بھرپور زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ دنیا کا ایک بڑا حصہ اردو بولتا اور سمجھتا ہے۔ دنیا کے کسی کونے میں بھی چلے جاو آپ کو اُردو بولنے والا مل جائے گا۔ بلکہ یہ با بھی باعثِ مسرت ہے کہ برصغیر پاک و ہند یہاں تک کے جنوبی ایشیا کے اکثر ممالک کے لوگ بیرون ملک اُردو کو ہی اپنا ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔

اُردو ایک توانا اور جاذب زبان ہے یہ اپنے اندر دیگر مقامی اور غیر مقامی زبانوں کے الفاظ و محاورات جو اس کے لہجے سے مانوس سے ہوتے ہیں آرام سے قبول کر لیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو ہی پاکستان کی مرکزی اور قومی زبان کے طور پر نہایت موزوں اور مناسب زبان ہے۔ احمد ندیم قاسمی اس بارے میں کہتے ہیں۔

"اُردو تو لسانی یکجہتی کی ایک زندہ مثال ہے اور ہمیشہ علاقائی زبانوں اور ادب کے الفاظ، محاورے اور اظہار بیان کے تیور حاصل کرتی رہی ہے اور آئیندہ بھی ایسا کرے گی اور میری دعا ہے کہ ایسا ہی کرتی رہے کیونکہ علاقائی زبانوں سے ہی اسکی توانائی گوناگوں اور ہمہ گیری کا راز ہے"(11)

(لسانی مذاکرات (1958 تا 1998ئ) ترتیب شیما مجید)

اُردو زبان کو اسکے اصل مقام اور مرتبے تک لے جانے کے لیے صرف کسی ایک طبقے کی مساعی کافی نہیں ہونگی بلکہ حیثیت القوم تمام پاکستانیوں کا فرض ہے۔ یعنی صرف حکومت، حکام نہیں بلکہ اہل دانش، مراد تمام ماہرین زبان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اُردو کو مزید نکھاریں تاکہ یہ اور خوش دلی سے تمام علوم و فنون کو اپنے اندر سمیٹ کر مکمل طور پر نہ صرف تعلیمی و تدریسی فرائض سرانجام دے سکے بلکہ حقیقی معنوں میں بھی قومی اور دفتری زبان ہونے کا ثبوت دے سکے۔

حوالہ جات

1۔ سید شوکت علی شاہ، "اردو زبان، مسائل اور امکانات" (مرتبہ) سن طبع ن۔م، ص نمبر:14

2۔ نبلیٰ پیرزادہ، "اردو مشاہیر کی نظر میں" (مرتبہ)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2009، ص نمبر:47

3۔ ایضاً۔ ص نمبر:25

4۔ ایضاً۔ ص نمبر:112

5-Lard Macalay , "minutes on education in India" page no:115

6۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر "یک جہتی،نفاذ اور مسائل"،(خطبات)،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد1998 ۔ص نمبر:33

7۔ ایضاً۔ص نمبر:7

8۔ نبلی پیرزادہ،"اردو مشاہیر کی نظر میں"۔ص نمبر:139

9۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر "یک جہتی،نفاذ اور مسائل"۔ص نمبر:

10۔سید عبداللہ،ڈاکٹر،"تحریکِ نفاذِ اردو"،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،2005،ص نمبر:377

11۔شیماء مجید،"لسانی مذاکرات(1958سے1998)مرتبہ،طبع2006، ص نمبر:126

کتابیات

1۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر "یک جہتی،نفاذ اور مسائل"،(خطبات)،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1998

2۔سید شوکت علی شاہ،"اردو زبان،مسائل اور امکانات"(مرتبہ)سن طبع ن۔م

3۔سید عبداللہ،ڈاکٹر،"تحریکِ نفاذِ اردو"،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،2005

4۔شیماء مجید،"لسانی مذاکرات(1958سے1998)مرتبہ،طبع2006